JAHAN-E-TAHQEEQ

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

Vol.5 No.2 2022

کلامِ اقبال میں سائنس اور فطرت

SCIENCE AND NATURE IN IQBAL'S WORDS

ڈاکٹر عاصمہ رانی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونی ورسٹی، بہاول پور

ڈاکٹر اقصیٰ نسیم سندھو

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونی ورسٹی، بہاول پور

مسز عالیہ مجید

لیکچرار، شعبۂ اُردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونی ورسٹی، بہاول پور

***Abstract**:*

Allama Iqbal was a great national poet. According to Iqbal, science cannot be a beacon for human life but nonetheless, science is very important for humanity. Science and nature have a deep connection. In fact, the innumerable signs of the Creator of the universe give birth to a new research. The search and research of an object is called science. Iqbal believes in the continuous creation of the universe. Whether Kalam-e-Iqbal is prose or poetry, there is a wide range of topics like science and nature In his sermons, Iqbal has also presented science and nature in detail and has also explained the solutions by explaining the fruits of some of the theories in the theory of relativity. Iqbal has tried to answer in the context of logic by placing the comparison of earth and sky on a scientific basis. In this article will examine the science and nature in Iqbal's Kalam.

Key words: Allama Iqbal Science Nature Universe prose poetry creation

علامہ اقبال ایک عظیم قومی شاعر تھے۔ جنھوں نے نہ صرف اپنی شاعری سے سوئی قوم و ملت کو جگایا بلکہ جدید سائنس کے زماں و مکاں جیسے موضوع کو بھی تفصیل سے پیش کرتے ہوئے اپنا نظریہ رکھا۔ کبھی فلسفہ، کبھی خودی تو کبھی جدید سائنس کے زماں و مکاں جیسے موضوعات نے اقبال کی شاعری اور فہم و فراست پر مبنی پر مغز و معنی خیز خطبات نے مسلم امہ کو تغیر و تبدل پر آمادہ کیا اور ان موضوعات کی بنیاد عقل و فہم اور منطق پر ہے۔

اقبال کے نزدیک سائنس ہماری روحانی زندگی کے لیے مشعلِ راہ نہیں بن سکتی مگر اس کے باوجود سائنس انسانیت کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اقبال تمام کائنات چاہے وہ زماں ہو یا مکاں، سائنس ہو یا حیوانات سب کو اربابِ نظر کے لیے ایک تختہ تعلیم قرار دیتے ہیں۔ اقبال کے ہاں زمین کے زروں سے آسمان کے ان گنت ستاروں تک موضوعات کا ایک کینوس ملتا ہے۔

سائنس اور فطرت کا گہرا تعلق ہے دراصل خالق کائنات کی بے شمار نشانیاں ہی ایک نئی تحقیق کو جنم دیتی ہیں کسی شے کی تلاش اور تحقیق کا نام ہی سائنس ہے۔ اقبال کائنات کے مسلسل تخلیق عمل کے قائل ہیں۔ کلامِ اقبال نثر ہو یا شاعری سائنس اور فطرت جیسے موضوعات کی بے پناہ وسعت ملتی ہے۔ اقبال نے اپنے خطبات میں بھی سائنس اور فطرت کو تفصیل سے پیش کیا ہے اور نظریہ اضافیت میں موجود کچھ کامیوں کو بیان کر کے حل بھی بتایا ہے۔ فلسفہ کی بنیاد دراصل خالقِ کائنات کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ سائنس میں انھی مشاہدات اور نظریات پر بحث ہوتی ہے اور آخر میں نتائج اخذ کئے جاتے ہیں۔ اس مقالے میں کلامِ اقبال میں موجود سائنس اور فطرت کے اشارات و امثال کا جائزہ لیا جائے گا۔

محمد زاہد سعید بدر کہتے ہیں کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہم شاعر مشرق علامہ اقبالؔ کے سائنسی انداز فکر کے تناظر میں ان کا مطالعہ کریں اقبالؔ کے سائنسی نظریات کے بارے میں جائزہ لیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ:

> ”اقبال زمان کی آزاد حیثیت کے قائل ہیں اور ان کے نزدیک زمان کا مسئلہ انسانی خودی اور تقدیر سے گہرا انسلاک رکھتا ہے۔ اقبال ہائزن برگ کے نظریہ لاتعین کو بھی سراہتے ہیں کیوں کہ یہ میکانکی جبریت کی بجائے آزاد ارادے کی طرف دلالت کرتا ہے۔ اقبال کائنات کے مسلسل تخلیقی عمل کے قائل ہیں اور ان کے نزدیک دمادم صدائے کن فیکوں آرہی ہے۔ اقبال پلانک کے کوانٹم نظریے کو بھی ستائش کی نظر سے دیکھتے ہیں۔“ (۱)

اقبال نے جب اپنی شاعری کا آغاز کیا تو اس عہد میں چاروں اطراف کے شعراء کے رُجحانات اپنے موضوعات کے حوالے سے مختلف تھے کچھ افراد کا ذہن عشق اور واردات عشق کے لوازمات گیھوئے پار اور پیکر تراشی تک محدود تھا۔ ابتداء میں انھوں نے اسی طرز پر شاعری کی پھر داغ دہلوی سے کسبِ فیض کے بعد اس عہد میں رائج روش سے کنارہ کشی اختیار کی۔ ان کا ذہن اور ان کا دل مقصدِ حیات پر غور و فکر کرنے کا امین تھا۔

اسی باعث انھوں نے اپنی شاعری میں انسان کی زندگی کے مقاصد اس کو درپیش مسائل کا حل اس کے نفس کے اندر کی تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اپنے کلام میں خودی، خودبینی سے رازِ کائنات اور حیات و ممات پر سوال اُٹھاتے اسی باعث ان کی شاعری، سوچ فکر و احساس اور ان کے باعث اچھوتے خیالات پر مبنی ہے۔ ان کے نزدیک انسان کے اندر زماں و مکاں کی حدود سے بالاتر ہو کر سوچنے کی خواہش ہی درحقیقت اس کی فکر نہیں سکون و راحت کی وجہ بن سکتی ہے۔

علامہ اقبالؔ پہلے شاعر ہیں جنھوں نے نظریہ اضافیت پر عقلی و منطقی دلائل کے ساتھ اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ نظریہ اضافیت "البرٹ آئن سٹائن" کا نظریہ ہے۔ جو بیسویں صدی کا سب سے اہم کارنامہ ہے۔ علامہ اقبالؔ نے اس نظریے کو اپنے خطبات میں بھی شامل کیا ہے۔ یہاں تک کے اقبال نے اپنے خطبے میں نظریہ اضافیت کے ایک مسئلہ پر بھی بحث کی ہے کہ۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

"فطرت کے متناہی اجزا تو بے شک ایک دوسرے سے الگ اور منفرد رہتے ہیں مگر فکر کے متناہی اجزا کی یہ صورت نہیں۔ فکر بالطبع تحدید سے آزاد ہے اور اس لیے یہ ممکن نہیں کہ اپنی انفرادیت کے تنگ حلقے میں مقید رہے۔۔۔۔۔۔اس کا مطلب یہ ہے کہ فکر میں حرکت پیدا ہوتی ہے تو محض اس لیے کہ اس کی متفاہیت میں لامتناہی بھی مضمر رہتا ہے۔" (۲)

اقبال کی شاعری میں استعاراتی معنوں میں صبح و شام زندگی ستاروں کی گردش، کہکشاں کی جنبش، زمین و آسمان کے تقابلی جائزے کو سائنسی بنیادوں پر پرکھ کر منطق کے پیرائے میں جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ جس بلندی کی بات کرتے ہیں وہ رب تعالیٰ کی ذات تک رسائی کا نام ہے۔ ان کے نزدیک انسان کا اندر بہت مضبوط ہے۔ اسے سائنسی نظریات کو دلائل و پیراہین کی روشنی میں جانچنے کی ضرورت ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں تشبہات و استعارات بھی معنویت کا درجہ رکھتے ہیں۔

ان کے ہر تصور اتنی وسعت کا حامل ہے کہ قدرتی عوامل ہوں یا مادی اشیاء انسان سوچنے اور عمل کرنے پر خود کو مجبور کرتا ہے کیونکہ اقبال کے نزدیک اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔ اگر کلامِ اقبال کی روشنی میں صبح کو استعاراتی معنوں میں بیان کیا جائے تو وہ سائنس کے مطابق اس کی اہمیت پر سوال اُٹھاتے ہیں کہ یہ کیسے نمود ہوتی ہے سائنس میں پرانے نظریے ہی کی نفی کر دیتی ہے اور یوں دوسرا نظریہ جنم لیتا ہے۔ یہ سلسلہ ایسے ہی چلتا رہتا ہے۔ اقبال سوالات کے جوابات بہت سوچ بچار کے بعد انسان کے اندر تلاش کرتے ہیں۔ نظم "صبح" سے مثال دیکھیے۔

ے
یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ جود
ہوتی ہے بندہ مومن کی اذان سے پیدا (۳)

سائنس کے مطابق ستارے جو اپنی چمک رکھتے ہیں اس کی کئی وجہ ہیں یہ قدرتی طور پر موجود ہیں ان کی کئی اقسام ہیں لیکن اقبال کے ہاں ان جھرمٹوں میں سے ہی اُٹھاتے ہیں کہ یہ روشنی کہاں سے پیدا ہوتی ہے۔ رب نے یہ کیوں بنائی کیا وجہ تھی کہ اس کے تحت آسمان کو یوں سجایا۔ انسان کو چاہیے کہ فطرت کے حسین تحفے کی قدر کرے جو اسے بلندی کا سبق دے رہا ہے۔

ے
تو معنی والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا مد و جزر بھی چاند کا محتاج (۴)

دنیاوی نباتات میں ریت وہ قدرتی شے ہے۔ جس کی بنیاد سائنس ہزاروں سال کے اختلاط کو سمجھتی ہے۔ ریت کے ادنیٰ سے ذرے کہ جن پر انسان روز چلتا ہے۔ سائنس ان ذرات کو قدرتی طور پر خود بخود پیدا ہونے کہ نظریے پر ہی اکتفا کرتی ہے جبکہ اقبال ان کے ذریعے غور و فکر کی تلقین کرتے ہیں اور ان کی چمک کو سکون سے تعبیر کرتے ہیں۔

ے
نے ریت کے زروں پہ چمکنے میں ہے راحت
نے مثلِ صبا طوفِ گل و لالہ میں آرام (۵)

آبشار پہاڑی سلسلوں میں بہت خوبصورت معلوم ہوتی ہیں۔ سائنس کے نزدیک جب پہاڑ سورج کی روشنی کی شدت سے پگھلتے ہیں تو ان سے آبشار پھوٹتے ہیں جبکہ اقبال کے بقول یہ سبک رفتاری سے آگے بڑھنے کی علامت ہیں وہ نوجوان کو ان پر غور و فکر کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اپنی نظم "موجِ دریا" کے ذریعے اقبالؔ نوجوانوں کو خون گرم رکھنے کے لیے ہر وقت بے قرار رہنے کی تاکید کرتے ہیں کیونکہ انسان کے اندر موجود بے چینی اور بے قراری ہی اُس میں جوش پیدا کرتی ہے تاکہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکے اور کچھ بن سکے۔ اگر انسان کی زندگی میں حرکت و عمل نہ ہو تو اُس کا وجود ختم ہو جاتا ہے اور وہ محض پتھر کی مورت بن کر رہ جاتا ہے۔

ے
موج ہے نام مرا، بحر ہے پایاب مجھے
ہو نہ زنجیر کبھی حلقۂ گرداب مجھے
آب میں مثلِ ہوا جاتا ہے توَسن میرا
خارِ ماہی سے نہ اٹکا کبھی دامن میرا
میں اچھلتی ہوں کبھی جذبِ مہِ کامل سے
جوش میں سر کو پٹکتی ہوں کبھی ساحل سے (۶)

سائنس کے نزدیک سورج ایک جلتا ہوا وہ مادہ ہے جو اپنی شدت اور گرمائش سے کچھ بھی پگھلا سکتا ہے اور تمام سیارے اس کے گرد گردش کرتے ہیں۔ اس کے ذریعے سے ہی اپنی دیگر چیزیں لیتے ہیں مگر اقبال سورج کی اس تپش اور روشنی کو پیغام امید سے عبادت کرتے ہیں۔ اقبالؔ کے نزدیک صبح کا سورج انسان کے دل میں تلاش و جستجو اور کوشش کا جذبہ پیدا کرتا ہے کیونکہ طلوع آفتاب ایک نئے سفر کا آغاز ہے۔ اقبالؔ بانگِ درا میں شامل نظم "پیامِ صبح" میں صبح کی کرنوں کے ذریعے سوئی قوم کو بیدار کرتے ہیں۔

ے
سوئے گورِ غریباں جب گئی زندوں کی بستی سے
تو یوں بولی نظارا دیکھ کر شہرِ خموشاں کا
ے
ابھی آرام سے لیٹے رہو میں پھر بھی آؤں گی
سلادوں گی جہاں کو، خواب سے تم کو جگاؤں گی (۷)

سائنس کے نزدیک پہاڑ قدرتی طور پر موجود تھے صدیاں گزریں زمانے بہت گئے مگر ان میں تبدیلیاں نہیں آئیں۔ اقبال نے اپنی نظم "ہمالہ" کے ذریعے پہاڑوں کا خوبصورت امتزاج قرار دے کر ان کے اندر کشش و جاذبیت کو بیان کیا۔ اقبال نے ان پہاڑی سلسلوں کی بلندی کو بہت عمدہ الفاظ کے ذریعے بیان کر کے ہندوستان کی تاریخ رقم کرنے کی کوشش کی ہے۔

؎ اے ہمالہ اے فصیل کشور ہندوستان
چومتا ہے تیری پیشانی ک جھک کر آسماں (۸)

حیات زندگی ہے جبکہ سائنس کے نزدیک تصور حیات ابنِ آدم کی بنیاد کو جانور سے ڈھونڈنے پر ہی اکتفا کرتا ہے جبکہ اقبال عرج آدم کی بات کرتے ہیں اور انسان کو ہی ایک قوم کی تقدیر سمجھتے ہیں۔

؎ افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملّت کے مقدّر کا ستارا (۹)

سائنس موت کو ہر شے کے خاتمے سے تشبیہہ دیتی ہے جبکہ اقبال کے ہاں تصور موت اس آزادی کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ جو اس جہاں سے ہٹ کر دوسرے جہاں کی طرف سفر ہے ان کے زندگی حرکات وسکنات اور عمل کی ترغیب جبکہ موت موت خاتمہ نہیں بلکہ اپنی حقیقت سے ملنے کی سعی ہے۔

؎ موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ صبح زندگی شام دوام زندگی (۱۰)

کلامِ اقبال میں تمام قدرتی، کائناتی، حیاتیاتی اور دیگر امور فطرت پر غور وفکر کی یہ ترغیب در حقیقت حضرت انسان کو سائنس کی منطق پر سوال اُٹھانے اور ان جوابات کو بہترین انداز سے ڈھونڈنے کی ترغیب کے طور پر بیان کی گئی ہے۔ اقبال کے ہاں زمین کے ذروں سے لے کر آسمان کے ستاروں تک موضوعات کا ایک عالم موجود ہے جو انسان کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے اور دلائل بھی فراہم کرتا ہے۔

حوالہ جات

1. محمد زاہد سعید بدر، "شاعر مشرق کے سائنسی رجحانات"، بلاگ: جیو نیوز، ۷ جنوری ۲۰۱۷ء
2. علامہ اقبال، ڈاکٹر، "خطبات اقبال"، (لاہور: بزم اقبال، ۱۹۵۸ء)، ص ۱۰
3. علامہ اقبال، ڈاکٹر، "ضرب کلیم"، (لاہور: کیور آرٹ پرنٹنگ ورکس، ۱۹۴۴ء)، ص ٦
4. ایضاً، ص ۹
5. ایضاً ص ۱۰۵
6. علامہ اقبال، ڈاکٹر، "بانگِ درا"، (دہلی: غالب اکیڈمی، ۱۹۷۷ء)، ص ٦۲
7. ایضاً ص ۵٦
8. ایضاً ص ۲۱
9. علامہ اقبال، ڈاکٹر، "ارمغان حجاز"، (علی گڑھ: علی گڑھ بُک ڈپو، ۱۹۷۵ء)، ص ۱۵
10. علامہ اقبال، ڈاکٹر، "بانگِ درا"، ص ۲۵۴